آسیہ قصوری

چاند میرے دریچے میں

"شرمین بی بی! ہن تے تھلے آجاؤ۔ جے وڈی بی بی نے دیکھ لیا تے تہاڈے نال میری وی گت پئی جانی اے۔"

ساجھی رونی صورت بنائے کہہ رہی تھی۔

"ساجھی کی بچی! ایک تو تم ڈرپوک بہت ہو۔ کوئی مدد تو کیا کرنی الٹا تم نے ہمیشہ میرا بیڑا ہی ڈبویا ہے۔ میں ہی پاگل ہوں جو تمہیں اپنے ساتھ شامل کرلیتی ہوں۔" غصے نے میرا میٹر گھما دیا تھا۔

ناولٹ

"خاموشی سے کھڑی ہو جاؤ ورنہ دوں گی ایک الٹے ہاتھ کی۔" میرے دورے لہرائے تھپڑ نے اس پر خاطر خواہ اثرات مرتب کیے اور وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔

اس سے نمٹنے کے بعد اب میں اپنے "مشن امپاسبل" کی جانب متوجہ ہوئی۔ وہ ابھی بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ اسے حسرت بھری نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے میں نے ایک دلگداز آہ بھری۔ جس کا اس ڈھیٹ پر تو چنداں اثر نہ ہوا' البتہ نیچے کھڑی ساجھی ایک بار پھر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنے لگی۔

"میں کیا بی بی جی! اج لیتی کافی اے۔"

تپتی دوپہر اور جھلسانی لو نے میری بے سود کوششوں کو کافی حد تک مایوس کن موڑ دے دیا تھا۔ مگر میں ہمت ہار کر بیٹھ جاؤں' یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک قہر آلود نگاہ اوپر کی ایک ناتواں شاخ کے ساتھ جھولتے ہوئے آم پر ڈالی اور پھر سے کمربستہ ہو گئی۔

"انب دی لکڑ کچی ہوندی اے۔ مم... میرا مطلب بے بے آکھدی اے۔" وہ میرے گھورنے پر گھبرا اٹھی تھی۔ "اب زیادہ بک بک مت کرو اور وہ سامنے۔" میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اس طرف چل دی۔

"او ہو! ٹوکری تو نیچے رکھ دو... ہاں! ٹھیک ہے اب وہ کونے والا پتھر اٹھا کر لاؤ۔" میں نے درخت پر لٹکے لٹکے ہی حکم صادر کیا۔

"جلدی پھینکو بدتمیز! میرے ہاتھ تھک گئے ہیں۔" وہ آدھی اینٹ ہاتھ میں پکڑے متذبذب کھڑی

تھی۔ مسلسل ڈانٹ ڈپٹ پر اس نے ڈرتے ڈرتے اسے میری طرف اچھال ہی دیا۔ جو سیدھی دشمن کی گولی کی طرح میرے ماتھے پر آکر لگی اور اگلے ہی لمحے میں اس صحت مند آم کو حاصل کرنے کی خواہش دل میں بسائے کچی زمین پر اوندھی پڑی تھی۔

"ہائے! مار دیا ظالم نے۔"

پاؤں مڑنے سے موچ آگئی تھی۔ اب تو اٹھنا بھی محال تھا۔ مگر اس واویلے میں میں یہ بھول گئی کہ اماں جانی کے کمرے کی کھڑکی اس پچھلے صحن میں کھلتی ہے اور انہیں بھولی ہوئی باتیں یاد دلانا بھی خوب آتا ہے۔

✿ ✿ ✿

"پھوپھو! کیا ابھی بھی درد ہو رہا ہے؟" زوہیب میرے چہرے کے بگڑے ہوئے زاویوں سے پریشان ہو کر پوچھ رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر نیم دراز جنت بوا سے پاؤں کی سنکائی کروا رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اماں جانی کے ہاتھوں ہونے والی ٹھیک ٹھاک قسم کی دھلائی کی وجہ سے میرے منہ کا ذائقہ ابھی تک کڑوا تھا۔

"اس لڑکی کی عمر دیکھو اور کرتوت، کہیں سے بھی گریجویٹ لگتی ہے۔"

"اب کیا ماتھے پر لکھوا کر پھروں؟" میں نے صرف سوچا۔

"سارا سارا دن بلیوں کی طرح دیواریں پھلانگتی ہے یا گلہریوں کی طرح درختوں پر چڑھ جاتی ہے۔"

کل ملا کر میرے اب تک نجانے کتنی بار ایسی بے شمار خوبیاں گنوا کر اپنے تئیں وہ مجھے شرمندہ کر چکی تھیں مگر بقول ان کے میرے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تھی۔

"تمہاری عمر کی لڑکیاں گھرداری سیکھتی ہیں مگر تمہیں نہ تو کچن میں دلچسپی ہے نہ گھر کے کسی اور کام سے۔ پرائے گھر جا کر بھی کیا یونہی ڈنڈے بجاؤ گی۔"

اماں جانی کا غصہ ان چوبیس گھنٹوں میں متعدد بار نکلنے کے باوجود کم نہیں ہوا تھا۔ میں بھی صبر کا عالمگیر مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہی۔ زبان پر کھجلی تو بہت تھی مگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کا مطلب اپنی شامت کی ان گھڑیوں میں خاطر خواہ اضافہ کرنا تھا۔

عارفہ بھابھی بڑی بہو کے فرائض احسن طریقے سے نبھاتے ہوئے میری ہر کلاس پر موجود رہتی تھیں اور اماں جانی کے عقب میں کھڑی ہو کر زیرلب مسکرانے کی ذمہ داری بھی پوری کرتیں اور میں بے بس عوام کی طرح اندر ہی اندر کھولتی رہتی۔

"دن رات مجھے یہ فکر ستاتی ہے کہ کہاں بیاہوں گی اس ماہی منڈے کو۔"

وہ میرے کانوں پر جوئیں سرکانے کے مشن سے ہار مانتے ہوئے میدان چھوڑ کر کمرے سے باہر جا رہی تھیں۔ مگر جاتے جاتے اپنا مشہور زمانہ فقرہ کہہ کر میرے نرم و نازک دل کو ٹھیس پہنچانا بھی غالباً ضروری خیال کیا تھا۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر خالی دروازے کی طرف دیکھا اور تسلی کر لینے کے بعد اپنی توپوں کا رخ غائبانہ طور پر ساجھی کی طرف موڑ دیا۔

"سارا قصور ہی اس ساجھی کی بچی کا ہے۔ اندھی نے پوری اینٹ اٹھا کر میرے سر پر دے ماری۔ ایک بار یہ موچ ٹھیک ہو جائے پھر دیکھ لوں گی اس کو بھی۔"

میں نے پیشانی پر بنے گومڑ پر ہاتھ پھیرا۔

بوا جنت نے بے قرار ہو کے پہلو بدلا۔ یقیناً میرے انتقام کا تصور انہیں دہلا گیا ہو گا۔ وہ اپنی اکلوتی پوتی کے لیے بہت حساس تھیں۔ ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

"چھوڑیں نا پھوپھو! آپ یہ چاکلیٹ کھائیں۔" سات سالہ زوہیب کو میرا ہمیشہ ہی بہت خیال رہتا تھا۔

"شہوز ماموں لائے ہیں جرمنی سے۔" اس کے اگلے جملے نے میرے دل کو سچ مچ باغ باغ کر دیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"شرمین پلیز! میری طرف آجاؤ نا۔" فون پر ثانیہ جاوید منمنا رہی تھی۔ وہ اپنے تایا زاد شعیب کو پسند کرتی تھی جبکہ اس کی ماما اس کی شادی اپنی بہن کے بیٹے جازم سے کرنا چاہتی تھیں۔ وہی روایتی افسانوں والی لو اسٹوری جس میں مجھے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کبھی کبھی تو میں شکر ادا کرتی کہ وہ میری ہمسائی نہیں تھی ورنہ یہ راگ دن رات سن سن کر میرے تو کان پک جاتے۔

"شرمین! پھر آ رہی ہو نا۔" ہمیشہ کی طرح میری منتیں کر رہی تھی۔ میں اس مسکینیت پر چڑنے کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت پر اکڑ بھی رہی تھی۔

"خدا کسی کو اتنا عقل مند بھی نہ بنائے کہ باقی سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں۔" میں نے فرضی کالر کھڑے کیے۔

"ثانی کی بچی! تمہیں کتنی بار بتاؤں میں نہیں آسکتی۔ میرے پاؤں میں موچ آئی ہوئی ہے۔ مگر تمہاری موٹی عقل میں یہ بات کب آئے گی۔"

"یہ تو پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ عارفہ بھابھی بتا رہی تھیں اب تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"اف! خدا پوچھے عارفہ بھابھی کو۔" میں نے دل ہی دل میں انہیں کوسا۔

"اتنا ضروری ہے کیا؟ فون پر ہی بتا دو۔"

"اس بار مسئلہ خاصا ٹیڑھا ہے۔ بس تم جلدی سے آجاؤ۔ میں نے زریں کو بھی بلا لیا ہے۔" وہ لہجے میں مسکینیت سمو کر پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

میں نے ناچار ہامی بھر کر فون رکھ دیا۔ سچ تو یہ تھا کہ میری یہ دونوں سہیلیاں مجھے جان سے زیادہ عزیز تھیں۔ اوپر سے چاہے جتنی بھی بے زاری ظاہر کروں، میں ان سے کچھ دیر کی دوری بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسی لیے تو میں نے گریجویشن کے بعد آگے نہ پڑھنے کا اعلان کیا تھا۔ اماں جانی نے یہ سوچ کر مان لیا کہ شاید گھر میں رہ کر مجھ میں گھریلو اور سگھڑ قسم کی لڑکی کے اوصاف حمیدہ بیدار ہو جائیں۔ ان کا دل خوش فہم اس موہوم سی امید پر راضی ہو گیا۔ زریں اور ثانیہ سے میں نے کھرے کھرے الفاظ میں کہہ دیا۔

"مزید دو سال تم احمقوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔ اس لیے یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لے رہی۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم دونوں بھی کچھ ایسا ہی ارادہ رکھتے ہیں۔" وہ دونوں دل کھول کر ہنس رہی تھیں۔

"اب تو میڈم آپ کو اپنے اس دانش مندانہ فیصلے پر افسوس ہو گا۔" زریں نے بڑے ڈرامائی انداز میں اپنے تئیں انکشاف ہی کیا تھا مگر یہ پہلے ہی سے میرے علم میں تھا۔ اسے تو اپنی ہونے والی سسرال کی جانب سے تعلیم جاری نہ رکھنے کا آرڈیننس جاری ہوا تھا۔ اور ثانیہ، وہ تو تھی ہی سدا کی دھکا اسٹارٹ۔ بی اے میں بھی فیل ہوتے ہوتے بچی تھی گویا تھرڈ ڈویژن کو بھاگتے چور کی لنگوٹی سمجھ کر آئندہ کے لیے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا جبکہ میں نے اپنی اچھی خاصی فرسٹ ڈویژن کو دوستی پر قربان کر دیا تھا۔

"کیا سچ؟ بدتمیزو! پہلے نہیں بتا سکتی تھیں میں نے خواہ مخواہ ہی بھائی کو فارم لانے سے منع کیا۔ اب تو تاریخ بھی نکل گئی ہے۔" افسوس کا مصنوعی مظاہرہ کرتے ہوئے میں دل ہی دل میں لڈیاں ڈال رہی تھی۔

✿ ✿ ✿

ایک گھنٹے بعد ہم تینوں سر جوڑے ثانیہ کے بیڈ روم میں سازشی کانفرنس میں مصروف تھیں۔

"تمہارا یہ خالہ زاد جازم کچھ زیادہ ہی ڈھیٹ چیز ہے۔"

میں نے پیالے میں گنجائش سے زیادہ میکرونیز بھرتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"ہائے! ایسا تو مت کہو، خالہ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ بڑی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔"

"اتنی ہمدردی ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔" میں نے رزق الٰہی سے انصاف کرتے ہوئے اس کی ہمدردی کے غبار پر چھینٹے مارے۔

"بس یار! شعیب کے سوا کوئی من کو بھاتا ہی نہیں۔" وہ تصور میں شعیب کی تصویر بناتے ہوئے شرمائی۔

"تایا کی فیملی اگر ہم سے مالی لحاظ سے کم ہے تو کیا

ہوا۔ خلوص اور محبت کی بھی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"تم چھوڑو اس بات کو۔ بتاؤ! جازم ابھی بھی تم سے شادی پر راضی ہے یا۔۔۔؟" زریں نے اس کا دھیان بٹایا۔ "اس دن شرمین نے اس کے آفس جا کر جو کلاس لی تھی اس کی "اف! کیا بتاؤں میں تو سمجھی تھی کہ اب وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر رشتے سے انکار کر دے گا۔" ایک ماہ پہلے کے قصہ کی یاد نے ہمیں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

"ویسے دیکھنے میں تو خاصا معقول لگتا ہے۔" میں نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے جازم کا خاکہ ذہن میں دوہرایا۔

"اچھا واقعی؟" ثانیہ نے اپنی گول گول آنکھیں مٹکائیں۔ "اگر کہو تو بات آگے بڑھاؤں؟ کیونکہ وہ سچ مچ اس رشتے سے دست بردار ہو چکا ہے۔ وہ بھی میرا نام لیے بغیر۔ بڑا امپریس ہے تم سے۔"

"کیا سچ! انکار کر دیا اس نے؟" میں اور زریں بیک وقت بولی تھیں۔

"اس خوشی میں تو اب منہ میٹھا کرنا بنتا ہے۔" میں نے چاکلیٹ کیک اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"مسئلہ تو پھر بھی حل نہیں ہوا۔" وہ الو اس الوکی سی شکل بنائے کہہ رہی تھی۔

"وہ دراصل۔۔۔" اس سے پہلے کہ اس کے نئے مسئلے کا سرا ہمارے ہاتھ آتا اس کی ماما دروازہ کھولے اندر داخل ہوئیں۔

"جلدی کرو ثانیہ! وہ لوگ۔۔۔" ہمیں دیکھتے ہی ان کے الفاظ کھمبوں سے بجلی کی طرح غائب ہو چکے تھے اور چہرے پر ناگواری اسی طرح رقم تھی جیسے کسی واپڈا ملازم کو دیکھ کر عوام کے چہروں پر ظاہر ہوتی ہے۔

"السلام علیکم آنٹی!" ہم نے باجماعت سلام کیا۔

"تم لوگ کب آئیں؟" جواب میں وہ میری گود میں دھرے کیک کو گھور رہی تھیں، جس میں سے ابھی ہم نے صرف ایک ایک پیس تناول کیا تھا، مگر جس طرح وہ دیکھ رہی تھیں، لگتا تھا وہ ایک پیس بھی حلق سے واپس نکل آئے گا۔

"ثانیہ! ادھر آ کر میری بات سنو۔" ان کی ایکس رے کرتی نگاہیں واپس پلٹیں تو ہماری جان میں جان آئی۔

"آنٹی اتنی کنجوس تو ہرگز نہیں ہیں۔" میری طرح زریں بھی حیران تھی۔ یہ راز ثانیہ کی واپسی پر کھلا۔

"نسرین آنٹی نے میرے لیے مزید ایک عدد رشتہ فراہم کر دیا ہے اور شاید آج ہی وہ لوگ آ رہے تھے۔ یہ سارا اہتمام بھی دراصل ان ہی کے لیے تھا۔" وہ تمام قصہ ہمارے گوش گزار کر کے مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اچھا تو یہ ہے وہ مسئلہ جس کے لیے تم نے یہ ہنگامی اجلاس بلوایا ہے۔ ثانیہ! اتنے رشتے تو کسی مغلیہ شہزادی کے نہیں آئے ہوں گے، جتنے تم بھگتا چکی ہو۔"

میں سر پکڑے بیٹھی تھی جبکہ وہ مزے سے کیک کھا رہی تھی کیونکہ آنٹی نے آج کے لیے ان لوگوں کو منع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ بریانی نجانے کس سرپھرے کی ایجاد ہے۔ بیس پچیس تو مسالے ہی ڈلتے ہیں اس میں۔ اب بندہ کس کو یاد رکھے اور کس کو بھول جائے۔"

میں گھی میں پیاز براؤن کرتے ہوئے خود بھی جل بھن رہی تھی۔ اس کی وجہ کچھ تو تنور کی مانند گرم کچن تھا اور کچھ غصے سے کھولتا ہوا میرا دماغ، کیونکہ آج نازمین آپی آئی ہوئی تھیں۔ گھر میں قدم رنجہ فرماتے ہی انہوں نے حکم شاہی فرمایا تھا۔

"بریانی کھاؤں گی اور وہ بھی شرمین کے ہاتھ کی بنی ہوئی۔"

آج کل مجھے گھر کے ہر کام میں کولہو کے بیل کی مانند جوتنے کے یہ جو غیر آئینی اقدامات ہو رہے تھے، دراصل ان دونوں کی سازباز کا ہی نتیجہ تھے۔

میں بھی جیسے سگھڑ بننے کو تیار بیٹھی

ہوں... ہونہہ دل چاہ رہا ہے آج ایسی بریانی بناؤں کہ نازنین آپی تو کیا ان کے میاں بھی مدتوں یاد رکھیں۔ مگر میرا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچنے کے آثار ذرا کم ہی تھے کیونکہ جنت بوا اور بڑی بھابھی منکر نکیر کی طرح میرے دائیں بائیں موجود تھیں۔

"اف! اتنی گرمی۔" میں نے چہرے پر آئے پسینے کو مزید واضح کرنے کے لیے نظر بچا کر ہاتھ گیلے کیے اور گالوں پر پھیر لیے۔ اس سے پہلے کہ مجھے چکرا کر گرنا پڑتا' عارفہ بھابھی نے میرے ہاتھ سے کفگیر لے لیا۔

"تم ایک طرف ہو کر سانس لو میں دیکھ لیتی ہوں بریانی کو۔"

میں فوراً" ان کا حکم مانتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

سلاد بناتی ہوئی بوا نے ضرور ترچھی نظروں سے دیکھا۔ یہ تو خیر ان کی ہمیشہ کی عادت ہے۔ اب ان چھوٹی موٹی باتوں کی پروا کیا کرنی۔ جوس کی پوری بوتل منہ لگا کر غٹاغٹ چڑھاتے ہوئے بھابھی کو تیزی سے کام کرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ انہوں نے بریانی دم پر لگانے کے بعد کوفتوں کے لیے مسالا بھوننا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ کسٹرڈ بنانے کے لیے دودھ بھی چڑھا دیا۔

"ویسے بھابھی اتنی بری بھی نہیں ہیں۔" میں نے دل ہی دل میں انہیں کچھ نمبر دے ڈالے اور خود لاؤنج میں آ کر ٹی وی آن کر لیا۔

"شرمین! تم نے اگر کچھ اور نہیں کرنا تھا تو کم از کم پڑھائی ہی جاری رکھتیں۔"

نازنین آپی نے اپنی مغرور سی پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے انگوٹھیوں والا ہاتھ میرے سامنے لہرایا۔ ان کی امارت کے اس مظاہرے کو نظر انداز کر کے میں نے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے مکمل خاموشی اختیار کی۔ ابھی ابھی تو میں اماں جانی کے کمرے میں آ کر بیٹھی تھی اور انہوں نے میرا ناپسندیدہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔

"کہیں بات پکی ہونے کی تو فی الحال کوئی امید نہیں ہے۔ ایسے میں پڑھائی چھوڑ کر بیٹھ جانے کی بھلا کیا تک تھی اور نہیں تو کم از کم ذہن مصروف ہی رہتا ہے پھر ایسا ذہن جو فارغ نہ بھی ہو تو شیطان کا گھر ہی لگتا ہے۔"

وہ بریانی کھانے کے باوجود اپنی نہیں ہوئی تھیں۔ شاید بھابھی کے ہاتھ کا ذائقہ پہچان گئی تھیں۔

"کتنی بار بتا چکی ہوں' مجھے مزید پڑھنے کا قطعاً" کوئی شوق نہیں ہے۔" آخر بولنا ہی پڑا۔

"شوق تو تمہیں کسی چیز کا نہیں ہے۔"

"خیر! اب ایسی بھی دروغ گوئی نہیں کہ کوئی شوق ہی نہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کے دل میں مجھے بیاہ کر لے جانے کا ارمان نہیں جاگتا۔" میں نے دل ہی دل میں اپنے ارمانوں پر ماتم کیا۔ منہ سے کہہ کر بھلا اماں جانی کے غضب کو آواز دینی تھی۔ غنیمت تھی کہ وہ فی الحال خاموش تھیں۔

"اماں جانی! آپ حلیہ دیکھیں اس لڑکی کا۔ شکل و عقل میں تو پہلے ہی پوری ہے۔ ایک تھوڑا بہت رنگ صحیح تھا' وہ بھی ٹانگ برابر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل کھیل کر گنوا دیا ہے۔ بال دیکھو جیسے صحرا کی جھاڑیاں۔" وہ مسلسل میری شان میں قصیدے پڑھ رہی تھیں۔

"کیا کہا؟" میں اسپرنگ کی طرح اچھلی تھی۔ فوراً" آئینے میں اپنا سراپا دیکھا۔ اس نے کھل کر میرے ریشمی بالوں اور سرخ و سفید رنگت کی تعریف کی تو دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی مگر اب تو مزید وہاں بیٹھنے کی گنجائش ہی نہیں بچی تھی لہٰذا فوراً" اٹھ آئی۔

آپی بھی تازہ تازہ واقعے سے تپی ہوئی تھیں۔ پچھلے دنوں وہ جہاں زیب بھائی کے کسی دوست کا رشتہ لائی تھیں۔

بقول ان کے بہت سلجھے ہوئے لوگ تھے۔ اتنے سلجھے ہوئے کہ انہیں میرے برف کا گولا کھانے پر بھی اعتراض تھا۔ اس میں میرا کیا قصور کہ ان کی اور گولے والے کی آمد ایک ساتھ ہو گئی۔ گاڑی کو اپنے گیٹ کے سامنے رکتے دیکھ کر میں تو فوراً" اندر بھاگ جانا چاہتی تھی مگر وہ کمبخت گولے والا ہی پچھلا کھاتہ کھول کر بیٹھ

گیا' پھر رہی سہی کسر اس وقت پوری ہو گئی جب زوہیب کا دوست گندو بیٹ اور بال لے کر ڈرائنگ روم میں ہی چلا آیا۔

"شرمین آپی! آج آپ کو صرف باؤلنگ کی باری ہی ملے گی۔ کیونکہ میری مما نے منع کیا ہے۔ آپ کی بیٹنگ سے ہمارے گھر کے سارے شیشے جو ٹوٹ گئے ہیں۔"

کچھ لمحے پہلے میری ہونے والی ساس مجھے پہلو میں بٹھائے نازنین آپی سے میری سلیقہ شعاری کے قصے سن رہی تھیں مگر ان پے در پے حملوں نے ان کا سارا شوق کافور کر دیا' پھر کیا تھا' وہ فوراً" اٹھ کر جلد ہی بھاگیں۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے ایسے لوگوں میں شادی کرنے کا جن کے چہرے دکانوں میں سجے اسٹیچو جیسے اور لہجے کلف زدہ ہوں' بناوٹی لوگ۔" میں نے بھی سارا احتساب بےباق کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عارفہ بھابھی میکے گئی ہوئی تھیں' آج کل کسی حسین و نازک اندام دوشیزہ کو چراغ لے کر تلاش کر رہی تھیں' اپنے اکلوتے بھائی شہروز کے لیے' جو جرمنی سے تین ماہ کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اور ان کے سر پر سہرا دیکھنے کے سارے ارمان ماں' بہنوں کے دلوں میں یک دم ہی بیدار ہو گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے سارے شہر میں ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا۔

رمضان کی آمد آمد تھی اس لیے اماں جانی کو بھابھی کا یوں روز روز میکے جانا بہت کھلتا تھا اور مجھے ان کی قریب کی کمزور نظر۔

ایک شام میں ابا جانی اور اماں جانی کے ساتھ چائے نوش فرما رہی تھی۔ ابا جانی کپ ہاتھ میں پکڑے ہر چینل پر باری باری وہی خبریں سننے میں مصروف تھے۔ اماں جانی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھیں۔ ساجھی میرے صوفے کے ساتھ نیچے قالین پر بیٹھی اپنے قاعدہ کا رٹا لگا رہی تھی۔ میں بار بار اس کا تلفظ درست کرتی اور کبھی خواہ مخواہ ہی جھاڑ پلا دیتی۔ اور کچھ کرنے کو تھا جو نہیں۔

"مبارک ہو بیگم! رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔ صبح ان شاء اللہ پہلا روزہ ہو گا۔" ابا جانی کی آواز خوشی سے سرشار تھی۔

"آپ کو بھی مبارک ہو۔" سب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے۔ اس خبر نے سوئی سوئی سی شام کو جھنجوڑ کر اٹھا دیا تھا۔

"ابا جانی! رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس اتنی جلدی ختم کیسے ہو گیا۔ ابھی تو صرف آٹھ بجے ہیں۔ کہیں یہ خبر غلط ہی نہ ہو۔"

میں نے ٹی وی اسکرین کو گھورتے ہوئے فکرمندی کا اظہار کیا۔ ابا جانی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا پھر دوبارہ اپنے پسندیدہ پروگرام کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"صبح پہلا روزہ ہے اور یہاں نہ کوئی تیاری نہ اہتمام۔" اماں جانی کو اب اگلی فکر ستانے لگی تھی۔

"میرے تو بچے بھی گھر پر نہیں ہیں۔" وہ اپنے فرماں بردار بہوؤں بیٹوں کا ذکر چھیڑ کر مجھے گھیرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہی تھیں۔

میں نے فوراً" صوفے سے پاؤں نیچے اتار کر جوتے کی تلاش شروع کر دی مگر رفوچکر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ پورچ میں حمزہ بھائی کی گاڑی آ کر رکی تھی اور اماں جانی کا سارا دھیان اسی طرف ہو گیا۔

"شاید حمزہ بھائی آفس سے واپسی پر بچوں اور بھابھی کو بھی ساتھ لیتے آئے ہوں۔" ہم دونوں ماں بیٹی اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس گمان پر خوش ہو گئیں۔ میں نے بھاگ کر لاؤنج کا دروازہ کھولا تو حمزہ بھائی اینڈ فیملی کے ساتھ طلحہ بھائی اور ربیعہ (بھابھی) کو بھی دیکھ کر میری خوشی سے چیخ نکل گئی۔

"آپ لوگ دبئی سے کب آئے۔ پہلے اطلاع کیوں نہیں دی؟" سوالات کی بوچھاڑ میں وہ سدا کا نوبیاہتا جوڑا کھڑا شرما رہا تھا۔

"ربیعہ نے کہا' یہ عید پاکستان میں اپنوں کے ساتھ مل کر مناتے ہیں تو میں نے سوچا کیوں نہ رمضان ہی

میں آپ سب کو سرپرائز دے دیا جائے۔" طلحہ بھائی کہہ رہے تھے۔

"مبارک ہو' مبارک ہو۔" ہر طرف رمضان کی آمد سے خوشیاں بکھر گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

بھابھیوں نے بروقت آکر کچن سنبھال لیا تھا اس لیے راوی میرے لیے چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ میں سحری کے بعد فجر کی نماز پڑھتے ہی سو جاتی' پھر جو آنکھ کھلتی تو ظہر کا وقت جا رہا ہوتا۔ بھاگم بھاگ نماز سے فارغ ہوتی تو ثانیہ کی کال آجاتی۔ اب پورا ایک گھنٹہ اس کے مظلوم عشق کی داستان سنتے اور اپنی عقل سلیم سے اسے مشورے دیتے گزرتا تو اگلا گھنٹہ زریں کے سسرال نامہ کے ساتھ تمام ہوتا۔ اس کی رام کہانی سن کر جیسے ہی موبائل رکھتی ربیعہ اپنے شوہر نامہ کے ساتھ آموجود ہوتی۔ انیس سو باسٹھ کی اس فلمی ہیروئن کی ہر بات شوہر سے شروع ہو کر شوہر پر ہی ختم ہوتی۔ شادی کو ایک سال ہو چکا تھا مگر ان کی باتوں سے یوں محسوس ہوتا جیسے ابھی ہنی مون پیریڈ ہی چل رہا ہو۔ یوں تو طلحہ بھائی میرے سگے اور بہت ہی عزیز بھائی تھے مگر ربیعہ ان کی اس قدر مالا جپتی کہ میں بے زار ہو جاتی۔

وہ میری ہم عمر اور ماموں زاد بہن تھی۔ بھابھی بننے کا سانحہ ایک لمبے چوڑے افیئر کے بعد عمل میں آیا۔ جس میں میرا کردار تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ تاریخی کردار میں نے اس لیے ادا کیا تاکہ کسی دکھیا دل کی دعا شاید مجھے بھی لگ جائے مگر سزا کے طور پر اب مجھے "طلحہ کہتے ہیں" کی شرمائی شرمائی گردان ہر وقت سننا پڑتی۔

آپ لوگ ہی بتائیں کہ اس قدر سخت روٹین کے بعد مجھے روزہ لگنا تو بنتا ہے نا؟ مگر اماں جانی... میں جیسے ہی تھکی ماندی افطاری کی ٹیبل پر آتی وہ مجھے آڑے ہاتھوں لے لیتیں۔

☆ ☆ ☆

"پلیز پلیز' مان جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں' یہ آخری بار ہے۔" ثانیہ التجا کرتے ہوئے میرے حضور جھکی جا رہی تھی اور میں اس کے ڈرائنگ روم کے صوفے کو اپنا تخت شاہی تصور کرتے ہوئے اک شان بے نیازی سے تشریف فرما تھی۔

"اگر میں نہ مانوں تو؟" میں نے گردن اکڑائی۔

"نہیں! ایسا مت کہو۔ میں مر جاؤں گی مگر شعیب کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ پلیز! مجھے اس مصیبت سے نکالو۔" وہ ہاتھ جوڑنے پر آگئی تھی۔

"آخر کتنی بار نکالوں تمہیں اس مصیبت سے۔ تھک گئی ہوں مگر تمہارے امیدواروں کی لائن ہی ختم نہیں ہوتی۔ تم نے تو پورشیا آف وینس کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ بس مزید نہیں ہوتا مجھ سے۔" میں نے ہاتھ اٹھائے مگر اس کے گڑگڑانے پر مجھے راضی ہونا پڑا۔

"اچھا اچھا! سوچتے ہیں کچھ۔"

"سوچنے کی کیا ضرورت ہے' وہی کرو جو جازم کے ساتھ کیا تھا یعنی دندناتی ہوئی جاؤ اس کے گھر اور لگا دو وہی میری خامیوں والا فارمولا۔" وہ آنکھ دباتے ہوئے بڑے مزے سے کہہ رہی تھی۔

"تھ... کیوں؟" میں ہکلائی۔

"اس لیے میڈم کہ ان صاحب کا آفس جازم بھائی کی طرح کراچی میں نہیں' بلکہ لندن میں ہے۔"

"کیا سچ! اتنے بڑے بندے سے میں بھلا کیوں ٹکراؤں' وہ بھی صرف تمہارے لیے۔"

"اب اتنا بڑا بھی نہیں ہے۔ صرف چھ فٹ کا ہے۔" اس نے "اتنا" پر زور دیا۔

"ہائے سچ! اور بتاؤ نا کچھ اس کے بارے میں۔"

"اب یقیناً تم مجھ سے مار کھاؤ گی۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے مجھے گھور رہی تھی۔

"تم اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی ہو۔ دوست ہی دوستوں کے کام آتے ہیں مگر یہاں لوگوں کو صرف اپنی ہی پڑی رہتی ہے۔" میں نے چہرے پر مظلومیت طاری کی۔ جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"مجھے جازم کے کمنٹس یاد آ گئے۔" وہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ "جب میں نے ان کے سامنے تمہارا ذکر کیا تو کہنے لگے 'نہ بابا نہ! ایسی ٹارزن ٹائپ لڑکیوں کے ساتھ گزارہ کرنا اپنے بس کا کام نہیں۔'"

"کیا کہا...؟ ٹارزن؟" میں نے اس کے آفس کی چھت پھلانگی تھی یا اسے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا؟ "میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی طرح میرے سامنے آجائے اور میں اس کا منہ نوچ لوں۔"

"اوکے 'اوکے کام ڈاؤن' میرے پاس ایک اور آپشن بھی ہے۔" اس نے میرے بھڑکتے غصے پر ٹھنڈی پھوار ڈالی۔

"کیا؟" میں نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"عمیر۔"

"عمیر' یعنی وہ تمہارا اوچھا بھائی' جسے ہمارے کالج گیٹ پر دوبار چھتر پڑا تھا۔" اب کے چلانے کی باری ثانیہ کی تھی۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟ عمیر تو کبھی بھی نہ مانے' وہ تو تمہیں چڑیل کہتا ہے۔"

وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی اور میں اپنا بیگ اٹھا کر بڑے سکون سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

دو دن بعد ثانیہ اور میں اسی لندن والے "چھچھونے" سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہے تھے۔ آج زریں نہیں آئی تھی اس لیے میں ثانیہ کو ہی پکڑ کر لے گئی۔

اس کے ٹھنڈے ہوتے ہوئے ہاتھوں کو دبوچ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے جب میں گیٹ پر پہنچی تو بڑی بڑی مونچھوں والے ایک خوفناک سے چوکیدار کو اپنی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے پایا۔

"تمہارے صاحب گھر پر ہیں؟" میں نے لہجے کو تحکم آمیز بنانے کی کوشش کی۔

"کیا کام ہے؟" اس نے ہمیں سر سے پاؤں تک گھورا۔

"فوراً" اندر اطلاع کرو مس شرمین آغا آئی ہیں۔" اس ضرورت سے زیادہ [illegible] نے اپنا رنگ دکھایا اور وہ پیچھے ہٹ کر انٹر کام پر بات کرنے لگا۔

"یار! واپس چلتے ہیں۔" ثانیہ نے میرے مزید قریب ہو کر گھبرائی گھبرائی آواز میں سرگوشی کی۔

میں ان سنی کر کے اپنی جگہ جمی رہی۔ اس کی کلائی پر ابھی تک میرے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ وہ کب کی ہاتھ چھڑا کر واپس بھاگ چکی ہوتی۔

انٹر کام سے فارغ ہو کر چوکیدار نے ہمیں ڈرائنگ روم کا راستہ سمجھا کر اندر جانے کی اجازت دے دی۔ کچھ دیر میں ہم لش پش کرتے ڈرائنگ روم میں صوفوں میں دھنسی بیٹھی تھیں۔ میرے اعتماد کو اب کوئی چوری چوری نقب لگا رہا تھا۔ جسے نظر انداز کرنے کے لیے میں یونہی بلاوجہ بولنے لگی۔

"یہ ارب پتی تمہارا خواہش مند ہے اور تم بے مال کے پتی کی خواہش مند ہے نا عجیب بات۔"

"آہستہ بولو کوئی سن لے گا۔" ثانیہ کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"ہاں! تو سن لے۔ میں کسی سے ڈرتی ورتی نہیں ہوں۔" میں نے ڈبنگ انداز میں شیخی ماری۔ پھر اس کے سر پیٹنے پر میں دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

خوبصورت سنہری فریم میں ایک قد آدم پورٹریٹ میرے دائیں طرف کی دیوار کی زینت بنا تھا جس میں ایک شہنشاہ مصر 'انداز دلبری' سے سامنے والے کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے مبہم مسکرا رہا تھا اور میرے ہاتھ میں چھری نہیں تھی۔

"یہی ہے نا وہ؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں! یہی ہے۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔

اسی لمحے کسی نے کھنکھار کر گلا صاف کیا تو میں سامنے متوجہ ہوئی۔ وہی شہزادہ فریم سے نکل کر میرے سامنے کھڑا تھا۔ مگر اس وقت اس کے چہرے پر دلفریب مبہم مسکراہٹ کی جگہ کرخت اجنبیت تھی۔

"جی فرمائیے! کس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتی

ہیں؟" [illegible]

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا' میں نے اس آدھی پونی شائستگی سے گزارہ کرنے کی کوشش کی۔

"آپ..." کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو احساس ہوا اس کے بارے میں میری معلومات بالکل صفر ہیں۔ یادداشت کی گٹھڑی میں ہاتھ مارا تو سوائے چھ فٹ قد کے کوئی اور بات میرے حافظے میں نہیں تھی۔

"آپ مسٹر...؟" میری سوالیہ نظریں اپنی مشکل کے آسان ہو جانے کی منتظر تھیں۔ مگر یہ جازم نہیں تھا جو ثانیہ کا نام سنتے ہی باقی سارے مراحل خود طے کر لیتا۔ صوفے پر نہایت اطمینان سے بیٹھ کر یہ شخص بہت گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"نہیں بتاتا تو نہ سہی۔" میں نے براہ راست بات کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا۔

"میں شرمین آغا ہوں۔"

"معلوم ہے۔" دو لفظی جواب۔

"ثانیہ کی دوست۔"

"اچھا۔"

"وہی جس سے آپ کے رشتے کی بات چل رہی ہے۔"

"تو پھر...؟" شاید وہ مجھے تپانے کی کوشش کر رہا تھا اور کامیاب ہو چکا تھا۔

"دیکھو مسٹر! تمہیں اس شادی سے صاف صاف انکار کرنا پڑے گا۔" میں نے کڑک کر کہا۔

"کیوں؟" کافی سخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"اس لیے کہ ثانیہ تم میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" ساتھ ہی میں نے زبان دانتوں تلے دبالی کیونکہ میری زبان سے "سچ" پھسل گیا تھا۔

"اف یہ میں نے کیا کر دیا۔" میں سابقہ کارروائیوں کی ترتیب بھول گئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں میں پہلی بار گھبرائی تھی۔

"تم بھی تو منہ سے کچھ پھوٹو۔" میں نے کہنی مار کر ثانیہ کو جگانے کی کوشش کی جو شاید سو گئی تھی یا پھر

شے سے ٹکرانے میں ناکام رہا تو مڑ کر دیکھا صوفہ خالی تھا اور دور دور تک کسی ثانیہ کا سایہ تک نہ تھا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح نجانے کس لمحے غائب ہو گئی تھی۔

"یہ... یہ کہاں گئی؟ ابھی تو یہاں بیٹھی تھی۔" میں ہونق بنی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"کون' ثانیہ؟" اس نے یوں پوچھا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔

"جی ہاں! وہی مجھے یہاں لائی تھی تاکہ میں آپ سے یہ بات کر سکوں۔" میں نے بھی جی کڑا کرتے ہوئے ذرا سخت لہجہ اختیار کیا۔

"جبکہ یہ بات انہیں اپنے والدین سے کہنی چاہیے تھی' نہ کہ ایک غائب دماغ لڑکی سے۔"

"کیا؟ تم مجھے پاگل کہہ رہے ہو؟" میں پسینے سے تر ہتھیلیاں بھینچ کر کھڑی ہو گئی۔

"تو کیا کوئی ذی ہوش لڑکی کسی ایسے شخص سے کہ جس کا وہ نام تک نہیں جانتی' اس کے گھر ملنے پہنچ سکتی ہے؟ ایسے لوگوں کی ذہنی حالت پر شبہ ہی کیا جا سکتا ہے یا کردار پر۔"

اس نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ لمحہ بھر کو مجھے یوں لگا جیسے میرے سر سے آسمان اور پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی گئی ہو۔

"آپ کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔" اب میں بہت سنجیدگی سے صورت حال پر غور کرنے لگی تھی۔ دل میں ثانیہ کو گالیاں دیتے ہوئے دروازے تک کا فاصلہ نظروں ہی نظروں میں ناپا۔

"اچھا! تو ایسی ویسی لڑکیوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟" اس کے ہونٹوں پر پھیلی ایک طنزیہ مسکراہٹ مجھے پہلی بار اپنے وجود میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو رہا تھا اور مجھے خطرے کی گھنٹیاں سنائی دینے لگی تھیں۔

"سنیے مس شرمین!" تیز قدموں سے باہر نکلتے

ہوئے میں نے اسے کہتے سنا تھا۔ اب میں آنکھیں بند کیے اندازے سے گیٹ کی سمت بھاگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ لڑکی انتہائی دھوکے باز ہے۔" میں نے ثانیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس وقت ہم زریں کے گھر پر تھے۔ ساری روداد اسے سناتے ہوئے میں ثانیہ پر فرد جرم عائد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تو تم نے واقعی اچھا نہیں کیا ثانیہ!" زریں نے بھی میری طرف داری کی۔

"یار! اس کے گھر والے میری تصویر لے جا چکے ہیں۔ وہ مجھے پہچان لیتا تو اس سے بڑی مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی۔"

"یہ بات تم مجھے اندر جانے سے پہلے ہی بتا سکتی تھیں۔" میں اس کا عذر ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"کئی بار کوشش کی مگر تم کس کی سنتی کب ہو؟" اس نے منہ بنایا۔

"اور جو تمہیں گھر کے باہر منڈلاتے ہوئے اس کے گھر والے دیکھ لیتے پھر؟"

"یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں اس کی صرف ایک بہن رہتی ہے' وہ بھی اس کے گھر سے بہت دور۔ اس کی والدہ امریکہ میں ہوتی ہیں جو آج کل میں پاکستان آنے والی ہیں۔" وہ بھی ساری معلومات اب ہم پہنچا رہی تھی۔

"اف! تو وہ گھر پر اکیلا تھا۔" مجھے کپکپی سی محسوس ہوئی۔ میری غائب دماغی پر ثانیہ کی بتیسی باہر نکل آئی تھی۔ پھر وہ میرے غفلت میں کہے گئے فرمودات زریں کے گوش گزار کرنے لگی۔ دونوں کی ہنسی کا جو فوارا چھوٹا تو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"بدتمیزو! اپنا نہیں تو کچھ میرے روزے کا ہی خیال کر لو۔" میری کھسیاہٹ نے انہیں مزید شہہ دے دی۔ مجبوراً" وہاں سے اٹھتے ہی بنی۔

"سنو' شرمین! افطاری کے بعد چلی جانا۔" زریں پکار رہی تھی۔ میں ان سنی کرکے باہر نکل آئی۔

مغرب کا وقت قریب تھا' اس لیے راستے بھر جگہ جگہ عارضی اسٹالز لگے ہوئے تھے۔ میں کچھ کولڈ ڈرنکس اور آئس کریم لینے ایک دوکان پر رک گئی تاکہ اپنے ساتھ ساتھ گھر والوں کے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان ہو سکے۔ گھر سے دوپہر کی غائب تھی اور نتیجہ بھی روز قیامت کی طرح میرے علم میں تھا۔ والٹ سے پیسے نکالنے کے لیے جب میں نے بیگ تلاش کرنا چاہا تو یاد آیا' وہ تو اسی جادوگر کے قلعے ہی میں رہ گیا ہے۔ میں بھاگتے ہوئے اسے ٹیبل سے اٹھانا بھول گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"باجی کہندی اے' میری طبیعت چنگی نئی۔ اس لیے روزہ نہیں رکھ سکدی۔" ساجھی کے ذریعے میرا پیغام سحری کی میز تک کیا پہنچا' اماں جانی کے غضب کو جوش آ گیا۔ پھر کیا تھا' وہ گرجتی برستی ہوئی میرے کمرے میں آئیں اور کان سے پکڑ کر مجھے ٹیبل پر لا بٹھایا۔

"چار روزے گزرے نہیں اور اس کے بہانے شروع ہو گئے۔" وہ سحری کے دوران بھی مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔ جبکہ یہ بہانہ نہیں تھا' میری طبیعت سچ میں خراب تھی۔ پوری رات پریشانی میں گزری۔ نیند تو دور کی بات' میں ایک پل کو پلک تک نہیں جھپک سکی تھی۔ حمزہ بھائی کی تاکید کے باوجود میں گاڑی سے اپنا ڈرائیونگ لائسنس اٹھا لیتی تھی جبکہ موبائل گاڑی میں بھول جاتی تھی۔ اب یہ ذرا سی لاپروائی میری زندگی میں بہت بڑا طوفان بھی لا سکتی تھی۔ میرا لائسنس میرے ہینڈ بیگ میں تھا' جسے وہ شخص اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔

میری طبیعت بوجھل ہو رہی تھی' ایک نوالہ لینے کی رغبت نہ تھی۔ مگر اماں جانی کی گھورتی نگاہوں نے مجبور کر دیا کہ اپنے سامنے رکھے پراٹھے کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ ابھی پہلا نوالہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ ابکائی آ

گئی۔ میں اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"طبیعت تو واقعی خراب ہے اس کی۔ صبح ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔" دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے ابا جانی کو کہتے سنا۔

"شکر ہے! کوئی پیچھے نہیں آیا۔" میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ آج بچپن کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ مگر وہ بچپن جس میں ذرا سی چوٹ لگنے پر خوب آنسو بہاتے تھے' بیت چکا تھا۔ اب تو ہر عمل کی وضاحت درکار تھی۔ وہ آزادی اور مرضی کا زمانہ قصہ پارینہ ہوگیا۔ اماں جانی ہمیشہ کہا کرتی تھیں "لڑکی اور اس کی عزت دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور دونوں ہی کانچ کی طرح نازک۔ ذرا سی ٹھیس پہنچی تو کرچی کرچی ہوگئے۔"

لڑکی ہونا کیا ہوتا ہے؟ یہ وہ پہیلی تھی' جسے میں کبھی سمجھ نہ پائی اور آج وہ شخص ایک جملے میں مجھ پر واضح کر گیا تھا۔ اس کا چبھتا ہوا طنزیہ لہجہ بار بار میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"ایسی ویسی لڑکیوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔"

میں نے بے قرار ہو کر کروٹ لی۔

"شرمین! تم رو رہی ہو؟" ربیعہ مجھ پر جھکی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"نن... نہیں تو۔" میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی مگر جیسے ہی آئینے پر نظر پڑی تو ٹھٹک گئی۔ سرخ آنکھیں اور بھیگا چہرہ۔ میں نجانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔

"لگتا ہے' تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔ ہم ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" اس نے تکیے کا بھیگا غلاف اتارتے ہوئے کہا۔ میں چپ چاپ اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

✿ ✿ ✿

"مس شرمین آغا سے بات ہو سکتی ہے؟" موبائل میں گونجتی آواز کو میری سماعت نے فوراً" پہچان لیا۔

"تمہاری یہ جرات کہ مجھے کال کرو؟"

میں اپنے گھر میں اپنوں کے درمیان تھی' لہٰذا اعتماد میرے لہجے میں پھر سے لوٹ آیا تھا۔

"آپ کا نام شرمین کی بجائے "شرارہ" بلکہ "مس آتش فشاں" ہونا چاہیے۔ لگتا ہے "شربت کی جگہ پانی میں بھی غصہ گھول گھول کر پیتی ہیں۔" نہ صرف اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا بلکہ وہ مجھے جان بوجھ کر بات کرنے پر اکسا رہا تھا۔

"مطلب کی بات کرو' فون کیوں کیا ہے؟"

"اچھا تو آپ مطلب کی بات سننے کو تیار ہیں؟"

"شٹ اپ! تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ کوئی راہ چلتی ہوئی لڑکی۔" "تو یہ بھول ہے تمہاری۔ میں صرف اپنی دوست کی ہمدردی میں اس کی مدد کرنے چلی آئی تھی' کہ وہ تم جیسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی' ورنہ شرمین کس طوفان کا نام ہے' یہ تم جانتے نہیں۔ تم جیسے شوقیہ غنڈوں کو سیدھا کرنا تو مجھے خوب آتا ہے۔ فور یور کائنڈ انفارمیشن میرے فادر ڈی آئی جی پولیس ہیں۔" اسے خوفزدہ کرنے کے لیے میں نے کافی بڑی بڑھک ماردی تھی۔

"یہ تو اور بھی آسانی ہوگئی۔ اب میں آپ کا ڈرائیونگ لائسنس تھانے بھجوا دیتا ہوں۔ وہاں سے آپ کے والد گرامی خود ہی لے آئیں گے۔" اس کے لہجے میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔

"نن... نہیں! اس زحمت کی ضرورت نہیں۔ اگر تم واقعی ایک شریف انسان ہو تو اس شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرا لائسنس لیٹر بکس میں ڈال دو۔" دل میں "جل تو جلال تو" کا ورد کرتے ہوئے میں نے ایک آسان حل پیش کیا۔

"اور باقی بیگ؟"

"اسے ڈسٹ بن میں ڈال دو۔" میں پھر سے تپ گئی تھی۔

"اب میں اتنا بھی شریف نہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حلق پھاڑ کر کہا مگر جواب سے پہلے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

✿ ✿ ✿

میں اور ربیعہ آٹھویں روزے کو ہی عید کی شاپنگ کرنے نکل کھڑی ہوئی تھیں' جبکہ حقیقتاً "ابھی سے خریداری کا ارادہ دونوں کا نہیں تھا۔ ربیعہ نے پروگرام بنایا تو میں اپنا دھیان بٹانے کو راضی ہوگئی۔ جب ایک بڑی سی چادر لے کر میں باہر نکلی تو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کے لائق تھے۔ وہ تو شاپنگ کے دوران بھی اس نے کئی بار زمین کو چھوتے ہوئے چادر کے کونے کی طرف میری توجہ دلائی۔

"آخر یہ تمہیں سوجھی کیا؟" آخر ایک جگہ رک کر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"دیکھا نہیں ... یہ مرد ہر راہ چلتی عورت کو کیسے گھور رہے ہیں ... بے غیرتوں کو رمضان کا بھی احترام نہیں۔" میں نے گھبرا کر ادرگرد دیکھتے ہوئے سر کو اچھی طرح ڈھانپا۔

"شرمین! تم مارکیٹ پہلی بار تو نہیں آئیں۔ اور یہ مرد حضرات بھی ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں۔ مجھے لگتا ہے تبدیلی تم میں آئی ہے۔" وہ بے اختیار ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شاید اس کی بات سچ ہی تھی۔ مجھے خود پر اٹھنے والی ہر نگاہ آج کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو' تمہیں معلوم ہے اماں جانی عید کے بعد تمہیں اس گھر سے رخصت کرنا چاہتی ہیں۔" وہ چوڑیوں کے مختلف شیڈز دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مگر کہاں؟" حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔

"تمہارے اصلی گھر اور کہاں۔" اب وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

"مگر اماں جانی کے سوچنے سے کیا ہوگا۔" میں نے سوچ کر سر جھٹکا۔ جبکہ ربیعہ ہینڈ بیگز کی دوکان میں گھس گئی تھی۔ وہ مختلف بیگز کو اٹھا کر دیکھ اور واپس رکھ رہی تھی۔ میں گلاس وال میں سے اسے دیکھتے ہوئے زریں کی شادی کے بارے سوچنے لگی تھی' جو عید کے بعد طے تھی اور تو اور ثانیہ کی ماما نے بھی بیٹی کی خواہش کے آگے گھٹنے ٹیک دیے دراصل میرج بیورو والی ان کی دوست آخر کار انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ وہ بچاری بھی کیا کرتیں۔ ہم دونوں ہی کے رشتے ان کا درد سر بنے ہوئے تھے۔

"اماں جانی نے میرے ذمے ایک کام لگایا ہے۔" ربیعہ دکان سے باہر آتے ہی دوبارہ بات کا وہیں سے آغاز کررہی تھی جہاں سے چھوڑ کر گئی تھی۔

"وہ چاہتی ہیں میں عارفہ بھابھی سے شہوز بھائی کے لیے بات کروں۔" وہ بہت معنی خیزی سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ مگر میری خاموشی پر بولی۔ "تمہیں کوئی اعتراض ' آئی مین... تم کہیں انٹرسٹڈ تو نہیں۔ دراصل تم اس دن رو رہی تھیں تو میں سمجھی..."

"اگر انٹرسٹڈ ہوتی تو یہیں ٹکی رہتی؟" میرا موڈ بگڑ گیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں آج رات ہی بھابھی سے بات کرتی ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کپڑے کی ایک دوکان میں گھس گئی تھی۔

شاپنگ نہ کرنے کے ارادے کے باوجود ہم کافی کچھ لے چکے تھے۔ اپنے اپنے شاپنگ بیگ تھامے ہم پارکنگ کی طرف بڑھ رہے تھے جب ایک منظر نے میرے قدم روک لیے۔ ایک کار ڈرائیور نے پانچ چھ سال کے ایک بچے کو ٹکر مار کر شدید زخمی کردیا تھا۔ وہ لہولہان ہوا سڑک پر بے ہوش پڑا تھا۔ اور کار کا ڈرائیور فرار ہونے کے چکر میں تھا۔ رش زیادہ ہونے کے باعث اسے گاڑی نکالنے میں دشواری ہو رہی تھی' میں نے اسی لمحے کا فائدہ اٹھایا اور اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کیا بات ہے بی بی! پیچھے ہٹو۔" وہ شیشہ نیچے کرتے ہوئے تنگ مزاجی سے بولا۔

"تم اندھے ہو۔ دیکھ نہیں رہے ایک بچہ تمہاری لاپروائی کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہا ہے اور تم بھاگنے کے چکر میں ہو۔ انسانیت ہے تم میں کچھ۔ تم جیسے لوگوں کو تو اس مقدس مہینے کا بھی احترام نہیں نہ ہی دلوں میں خدا کا خوف ہے۔"

میں زور زور سے چلا رہی تھی اور بچے کی ماں میرے پاس کھڑی رو رہی تھی۔ ارد گرد کے لوگ بھی بے حسی کا چولا اتار کر گاڑی کے گرد دائرے کی صورت جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اب تو مکمل طور پر گاڑی کا راستہ بند ہو گیا۔ مجبوراً "وہ شخص نیچے اترا اور زخمی بچے کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال لیا۔ میں نے ماں کو بھی بچے کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ گاڑی روانہ ہونے کے بعد رش چھٹا تو مجھے ربیعہ ایک طرف کھڑی نظر آئی۔ وہ حیران و پریشان سی مجھے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو "یہ سب کیا تھا میں نے بھی خاموشی سے کندھے اچکا دیے۔

☼ ☼ ☼

شام سے ہی میرے دل میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ عشا تک انتظار کرنا دو بھر ہو رہا تھا۔ پھر جیسے ہی نماز عشا اور تراویح سے فارغ ہوئی بھابھی کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔ دروازے سے کان لگا کر کچھ سننا چاہا تو احساس ہوا' دونوں خواتین اندر موجود نہیں' جس کی گواہی حمزہ بھائی کے خراٹے دے رہے تھے۔ میں مایوس ہو کر پلٹ آئی۔ کچن کے پاس سے گزرتے ہوئے میرے قدم رک گئے۔ یہ بھابھی ہی کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"ربیعہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔ شرمین گھر کی لڑکی ہے۔ دیکھی بھالی اور خوش شکل بھی لیکن کیا یہ خوبیاں اسے اچھی بہو اور بیوی ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔"

بھابھی کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ کچھ دیر کے لیے کچن میں خاموشی چھا گئی۔

"کیا مطلب ہے؟ میں سمجھی نہیں۔ اچھی بہو ہونے کی ضمانت کسی بھی لڑکی کی نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے سسرال نے بھی ہمیں بغیر اس ضمانت کے اپنایا ہے۔"

ربیعہ حقیقت بیان کر رہی تھی مگر میرے دل نے اسے ایک اچھی بہو ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا تھا۔

"تم جذباتی ہو رہی ہو ربیعہ! یہ عمر بھر کے بندھن ہوتے ہیں۔ انہیں وقتی جذباتیت کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔" وہ بہت آسانی سے اس کی حقیقت پسندی پر جذبات کا لیبل لگا رہی تھیں۔ "تم تو شرمین کو بچپن سے جانتی ہو۔ کس قدر سرکش اور خود پسند لڑکی ہے۔ بلکہ لڑکی کیا ایک سرپھرا نوجوان ہے۔ تم ہی بتاؤ اس میں اپنی ہم عمر لڑکیوں والی کوئی ایک بھی خوبی ہے۔ اگر میں سسرال کی لاج نبھانے پر رضامند ہو بھی جاؤں تو میرے ماں باپ اور اکلوتے بھائی کا کیا قصور ہے۔ جو انہیں یہ سزا دی جائے۔

اس لڑکی سے کچھ بعید ہے کہ میری ماں کا سر پھاڑ دے یا ابا کو کہیں دھکا دے آئے اور اگر شہوز کے ساتھ جرمنی چلی گئی تو خدا جانے وہاں کیا گل کھلائے۔ آج اس نے سڑک پر جو تماشا کیا وہ تو تم خود مجھے بتا چکی ہو۔" اب ربیعہ خاموش تھی۔

"شہوز سے تو تم واقف ہو۔ وہ کم گو اور سنجیدہ مزاج لڑکا ہے۔ ایسی آدھے دماغ کی لڑکی کو ایک دن برداشت نہیں کر سکے گا۔" ان کی گفتگو ابھی جاری تھی مگر مجھ میں مزید سننے کی سکت نہ رہی تھی۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"تو یہ ہو تم دوسروں کی نظر میں شرمین آغا!" کوئی میرے اندر قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا۔ میں گرتی پڑتی بہ مشکل اپنے کمرے تک پہنچی تھی۔

"کیا میری چھوٹی چھوٹی شرارتیں' ہنسی مذاق اور کھلنڈرا پن میری سرکشی ہے؟"

"کیا میں بگڑی ہوئی لڑکی ہوں؟"

"ایسی ویسی لڑکیوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔" اچانک ایک طنز بھرا لہجہ میرے کانوں میں گونجا تھا۔

"نہیں' نہیں' یہ غلط ہے۔ میں ہرگز ایسی ویسی نہیں ہوں۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ گزرتے وقت

کے ساتھ میں اپنے اندر کے ایک چلبلے بچے کو مار نہیں سکی۔ بہن بھائیوں کی شادیوں کے بعد گھر کی خاموش فضا میں اپنی ان چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے رنگ بھرتی تھی۔ پھر ابا جانی بھی تو کہتے تھے کہ شرمین ہی کے دم سے گھر میں رونق ہے۔"

میرے اندر اٹھتے طوفان نے آنسوؤں کی صورت باہر کا رخ کر لیا تھا۔

"کسی کی تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ ہو سکتا ہے کہیں میرا طریقہ غلط ہو مگر میری سوچ غلط نہیں ہے۔ میں نے تو ہمیشہ سب میں خوشیاں بانٹنے کی کوشش کی ہے۔ اے اللہ! تو تو جانتا ہے نا میرے دل کو۔"

تواتر سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ میں نے جائے نماز بچھائی اور اس بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئی جہاں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ہستی تو ہمارے دلوں کے ان نہاں رازوں کو بھی جانتی ہے جو خود ہم سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جانے کتنا وقت اسی حالت میں گزر گیا۔ سا بھی سحری کے لیے جگانے آئی تو میں جائے نماز سے اٹھی۔ شب بیداری سے آنکھیں متورم تھیں مگر دل پر دھرا بوجھ اتر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لو بھئی بیگم! آج رحمت کا عشرہ مکمل ہوا اور ہم مغفرت کے عشرے میں داخل ہو گئے ہیں۔" ابا جانی نے لاؤنج کی طرف آتے ہوئے اماں جانی کو مخاطب کیا۔

افطاری کے فوراً بعد سب نماز کے لیے اٹھ جاتے تھے۔ کھانا بعد میں کھایا جاتا تھا۔ پھر دونوں بھائی اور اماں ابا لاؤنج میں جا بیٹھتے۔ میں بھابھیوں کے ساتھ مل کر کچن سمیٹتی اور آخر میں چائے پی جاتی۔ تب تک عشاء کی اذان بھی ہو جاتی۔ سب مرد نماز عشاء اور تراویح کے لیے مسجد کا رخ کرتے اور خواتین اپنے اپنے کمروں کا۔ اس کے بعد گھر میں سحری تک خاموشی

کا راج ہوتا۔ آج بھی دن بھر کی مصروفیات اپنے اختتامی مرحلے کی جانب بڑھ رہی تھیں یعنی چائے کے منتظر افراد لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔

"جی جناب اور یہ رحمت کا عشرہ اللہ تعالیٰ کی بے بہا رحمتیں میری جھولی میں ڈال گیا ہے۔" ابا جانی کے برابر والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اماں جانی بہت مسرور لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"اللہ کریم نے میری ساری دعائیں سن لی ہیں۔"

"کون سی دعائیں؟ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے؟" ابا جانی نے سائیڈ ٹیبل سے اخبار اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میری شرمین کے لیے ایسا پیارا رشتہ آیا ہے کہ میری ساری پریشانیاں دور ہو گئی ہیں۔"

"رشتے تو پہلے بھی بقول آپ کے سب ہی اچھے تھے۔" ابا جانی نے اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے حسب عادت بامعنی بات سرسری لہجے میں کی۔

"مگر اس بار مسز نسرین نے انہیں ہر بات پہلے ہی صاف صاف بتا دی ہے۔" اماں جانی نے میرج بیورو والی آنٹی کا نام لیا جو اکثر میرا نام سنتے ہی بدمزا ہو جایا کرتی تھیں۔

میں چائے کی ٹرے پکڑے لاؤنج کے دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

"ان لوگوں نے نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا ہے بلکہ کسی حد تک رضامندی بھی ظاہر کر دی ہے۔" اب کے ابا جانی کے ساتھ ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے حمزہ بھائی اور زوہیب اور ارسہ سے کھیلتے ہوئے طلحہ بھائی بھی اماں جانی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"باقی کے معاملات تو دونوں گھرانوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے بعد ہی طے ہوا کرتے ہیں۔" انہوں نے تینوں مردوں کی جانب جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ انہیں کسی روز افطاری کے بعد بلوالیں۔" دونوں بھائی بھی تائید کرنے لگے۔

عارفہ بھابھی ہمیشہ کی طرح میرے حصے کا کام نمٹانے کے لیے ٹرے میرے ہاتھ سے لے کر آگے

گئیں۔ ربیعہ بھی جاتے جاتے میرے گال پر شرارت سے چٹکی لیتے ہوئے سرگوشی میں بولی۔

"بیسٹ آف لک۔"

بے اختیار میرے منہ سے نکلا "آمین۔"

☼ ☼ ☼

بیش قیمت لباس و زیورات سے لدی پھندی خوب صورت سی خاتون لڑکے کی بہن تھیں۔ ان کے دو عدد انتہائی شرارتی سے بچے زوہیب اور ارسہ کے ساتھ مل کر ڈرائنگ روم کے تمام ڈیکوریشن پیسز کی ترتیب نو میں مصروف تھے۔ دوسرے صوفے پر ایک اور سی خاتون صرف مسکراہٹ پر اکتفا کیے منکسر سی بیٹھی تھیں۔ وہ غالباً موصوف کی والدہ تھیں۔

جاتے ہوئے وہ اماں جانی کو بعد اصرار اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئیں، جس سے گھر میں گویا شادی مرگ کا سماں بندھ گیا تھا۔ ہر شخص خوش تھا خاص طور اماں جانی تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ صرف ناز نین آپی نے ہمیشہ کی طرح چند عجیب و غریب سے اعتراضات اٹھائے تھے۔

"لڑکے کی بہن فیشنی بہت ہے، دیے ہوئے وقت پر یہ لوگ تو فوراً ہی پہنچ گئے۔ آنٹی صاحبہ شرمین کو کچھ زیادہ ہی چمٹا چمٹا کر مل رہی تھیں نا۔"

"بس رہنے دو ناز! اتنا برا بھی ہے نہ وقت پر پہنچنا، شرمین کو پیار کر رہی تھیں تو اچھی بات ہے۔ اسی کا رشتہ لینے آئی تھیں نہ کہ تمہارا۔"

آج تو اماں جانی بھی ان کی اس عادت سے بے زار ہو گئی تھیں۔

"اماں جانی! خیال رکھنا ہی پڑتا ہے ایسی باتوں کا۔ پھر لڑکے کا نام بھی تو دیکھیں۔ کتنا عجیب ہے 'ابدال' شرمین تو ہرگز نہیں مانے گی۔" اب وہ میرے کندھے پر بندوق رکھنے کی کوشش میں تھیں۔ اماں جانی نے گھبرا کر میری طرف دیکھا۔ پھر آپی کو نظروں ہی نظروں میں تنبیہہ کرنے لگیں۔

"ناز آپی!" میرے یکدم مخاطب کرنے پر وہ چونکی

تھیں۔ "ناموں میں کچھ نہیں رکھا۔ اصل اہمیت شخصیت کی ہوتی ہے۔ اگر وہی کھوکھلی ہو تو نام صرف تختی بن کر رہ جاتا ہے، جو یا تو گھر سے باہر گیٹ پر لگتی ہے یا کتبے کی صورت قبر پر۔" میں سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

جلد ہی ناز آپی کے تمام اعتراضات صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ کیونکہ یہ لوگ جس شخص سے ملنے گئے تھے، وہ کوئی ساحر تھا جس نے سب کو پہلی ملاقات میں ہی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ پھر حمزہ بھائی نے بھی تھوڑی بہت تحقیق کروا کر اپنی تسلی کر لی۔ یوں جھٹ رشتہ پٹ منگنی کی تیاریاں بھی ہونے لگیں۔

ثانیہ اور زریں حیران تھیں کہ مجھے کسی بات پر بھی اعتراض کیوں نہیں ہو رہا۔

"میری بانو تو ایک نظر اسے دیکھ ہی لو۔ کہو تو آپی سے تصویر وغیرہ کی بات کروں۔" ثانیہ کہتی۔

"مگر سنا ہے کہ اس طرف سے بھی ایسی کسی فرمائش کا اظہار نہیں کیا گیا۔" فرمائشوں کے بوجھ تلے دبی زریں بھی منہ کھولے دیکھتی۔

میں فقط دھیرے سے مسکرا دیتی تو وہ دونوں حیرت کے سمندر میں غوطے لگانے لگتیں۔

اب انہیں کیا بتاتی کہ آج کل میں جس عجیب کیفیت کا شکار تھی اس میں نہ اعتراض کر سکتی تھی نہ اعتراف۔ میں جب بھی آنکھیں بند کرتی تو نجانے کہاں سے وہ غصیلی آنکھیں اور طنز بھرے ہونٹ میرے سامنے آ جاتے۔ وہ شخص جس کا میری زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، کوئی خوب صورت یاد اس سے وابستہ نہیں تھی، سوائے اس کے کہ اس نے میرا ڈرائیونگ لائسنس ہمارے گھر لیٹر بکس میں ڈال کر خود کو ایک شریف انسان ثابت کر دیا تھا اور دوبارہ کبھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی، پھر میرے خیالوں میں نجانے کیوں بار بار آ جاتا تھا۔ ان الجھے خیالات کو ذہن سے جھٹک کر میں ابدال کا فرضی تصور

ذہن میں بہلانے کی کوشش کرتی تو خود پر ہنسی آجاتی۔
اسی کشمکش میں گزرتے دنوں کا آخری سرا یعنی چاند رات بھی آپہنچی۔ جی ہاں وہی چاند رات جسے رسم کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح ہی سے دل کی عجب سی کیفیت تھی۔ میں اپنے آپ سے الجھ رہی تھی۔ اداس ہرگز نہیں تھی مگر عجیب بے کلی سی تھی۔ عارفہ بھابھی کی باتوں نے جیسے میرا خود پر سے اعتماد ختم کر ڈالا تھا۔ میں اپنے بستر پر بیٹھی اسی کیفیت سے الجھ رہی تھی' جب ربیعہ مجھے پکارتی ہوئی اندر آئی۔ ربیعہ کیا تھی' کپڑوں' جوتوں اور زیورات کے ڈبوں اور نجانے کن کن اشیا کا ایک ڈھیر تھا جو دھم کی آواز کے ساتھ بستر پر گرا تو پیچھے سے وہ خود نمودار ہوئی۔

"ہم صبح سے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو رہے ہیں اور محترمہ یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔" مصروفیت اور عجلت میں بھی خوشی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"لو سنبھالو بھئی! تمہاری ساس نے سب چیزیں پہلے سے اس لیے بھجوادی ہیں تاکہ تم وقت پر تیار ہو کر انہیں دیدار کروا سکو۔" وہ ہنستے ہوئے ڈبہ کھول کر دیکھنے لگی۔ سفید ریشمی سوٹ پر گولڈن اور سلور امتزاج میں خوب صورت کام تھا۔

"واہ بھئی! پسند تو بہت اچھی ہے مسٹر ابدال کی۔ اتنے دنوں سے تمہاری نند صاحبہ میرے کان کھا رہی تھیں کہ ابدال نے سب شاپنگ اپنی پسند سے کرنی ہے۔ سچ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ نجانے کیا اٹھا لائے مگر یہ تو سب کچھ کمال کا ہے بھئی۔"

ربیعہ اپنی آواز کو باریک کرکے نورینہ باجی کی نقل اتارنے لگی تو ضبط کے باوجود مجھے بلاوجہ ہی رونا آنے لگا۔

"ارے ارے یہ کیا بھئی۔" اندر داخل ہوتی ہوئی ثانیہ کی نظر سب سے پہلے میرے آنسوؤں پر ہی پڑی تھی۔

"اگر سوٹ پسند نہیں آیا تو فون کھڑکاؤ۔ آنسو کیوں ضائع کرتی ہو۔ انہیں رخصت کے وقت کے لیے سنبھال رکھو۔" وہ ٹشو سے میرے گال پونچھنے لگی۔

"مگر صرف رخصتی کے بعد میں تو وہی بے چارہ روئے گا۔" ربیعہ نے بھی لقمہ دیا۔ جس پر ان دونوں کے ساتھ میری بھی ہنسی نکل گئی۔

"او کے بابا! یہ ہنسی مذاق چھوڑو اور پارلر جانے کی تیاری کرو۔" اماں جانی کے اندر آتے ہی سب کی ہنسی کو بریک لگ گئی تھی۔ جلدی جلدی ضروری اشیا ثانیہ نے ایک بیگ میں ڈالیں اور ہم حمزہ بھائی کے ساتھ پارلر چلے گئے۔ واپسی پر زریں کو لیتے ہوئے جب ہم گھر پہنچے تو سب مہمان آچکے تھے۔ لہٰذا زریں اور ثانیہ مجھے سیدھا لان میں بنے اسٹیج پر ہی لے آئیں۔

"ماشاء اللہ۔ میری بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔" آنٹی میری بلائیں لے رہی تھیں۔

"ممنی' مسنی' کیا ہیرو پسند کیا ہے۔" میری دونوں ہم زاد ابدال کو اسٹیج پر آتا دیکھ کر میرے کانوں میں گھسنے لگیں۔

"واؤ' سفید شیروانی پر سلور اور گولڈن کام۔ اس نے تو پوری میچنگ کر رکھی ہے تمہارے ساتھ۔" ایک قدرتی شرم و حیا نے میرے سر کو خود بخود جھکا دیا اور پلکیں تھیں کہ کوشش کے باوجود نہ اٹھ رہی تھیں۔

"دیکھو تو! شرمین آج واقعی شرمین ہی لگ رہی ہے۔" عارفہ بھابھی کسی سے کہہ رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے ان کے لہجے میں حسرت ہو۔

"ہمیشہ ایسی ہی رہنا۔" میری طرف ذرا سا جھکتے ہوئے سائے کی گمبھیر سرگوشی نے دل کی دھڑکن کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

رسم کے بعد جب کھانا کھلا تو صد شکر ربیعہ میری نظروں کا مفہوم سمجھ گئی اور مجھے اندر لے آئی۔

☼ ☼ ☼

"او کے' پلیز تھوڑی دیر کے لیے باہر آجاؤ۔ ابدال

شرمین سے ملنا چاہتا ہے۔" نازمین آپی نے اچانک کمرے میں آکر دھماکا کیا۔

"مم ۔۔۔ مگر کیوں۔" میں اس اچانک افتاد پر گھبرا گئی تھی۔

"آپ ملتے ہوئے کیوں غش پڑ رہے ہیں۔ کمینی لڑکی! تم سے تو بعد میں پوچھیں گے۔" ثانیہ اور زریں منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

جیسے ہی سلور اور گولڈن کام والا کھسہ دہلیز پہ نظر آیا میرا سر ایک بار پھر جھک گیا۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی شرمیلی واقع ہو گی، مس شرمین آغا!" یہ لہجہ میری سماعت پہ بجلی بن کر گرا تھا۔

"آپ یہاں؟" میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"جی جناب! میں یعنی ابدال احسن، جس کے چرنوں میں آپ کئی اشخاص کی بھینٹ دینے کو تیار تھیں۔ میں نے سوچا ایسی پجارن اور کہاں ملے گی لہٰذا زندگی بھر کے لیے آپ کے سامنے رہنے کا فیصلہ کر لیا۔" ہونٹوں پر بہت دلفریب مسکراہٹ سجائے وہ عین میرے مقابل آکھڑا ہوا تھا۔

"و ۔۔۔ وہ تو صرف ایک مذاق تھا۔" میں شرمندہ ہوئی۔

"آپ کے لیے ہو گا، میں تو پہلی نظر میں ہی دل ہار گیا تھا۔" اس کے کلون کی خوشبو مجھے اپنے چاروں طرف پھیلتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

"کہا تو آپ نے بھی تھا کہ میں آتش فشاں ہوں۔" نظریں چراتے ہوئے میں نے حساب برابر کرنا چاہا۔

"ہاں وہ تو تم ہو اور یہی بات تو میرے دل کو بھائی تھی۔" وہ نہایت پرسکون انداز میں صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ "میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ میری شریک حیات ایک بہادر اور صاف گو لڑکی ہو۔ جب کسی غیر مرد سے بات کرے تو بے لچک لہجہ اس کے کردار کی گواہی دے۔ تم سے مل کر یوں لگا، جیسے میری منزل مل گئی ہے۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پھر ایک دن اچانک ہی تمہارے اندر کے ہمدرد انسان سے ملاقات ہو گئی، جب تمہارا احساس دل ایک زخمی بچے کے لیے تڑپ رہا تھا اور تمہاری آنکھوں میں تیرتی نمی، جس کی شاید تمہیں بھی خبر نہ تھی کہ حساس دل کی گواہی دے رہی تھی۔ میں ہجوم میں کھڑا کتنی ہی دیر تمہارے چہرے کو تکتا رہا۔ اس دن میں نے اپنے دل کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔"

میری بے یقین ہوتی سماعتوں نے اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے کو دل پر دستک دیتے سن لیا تھا۔ اور یقین بھی کر لیا تھا۔

"مگر آج۔" وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کھڑکی کے پاس آکھڑا ہوا۔

"تمہارے اس انوکھے روپ نے مجھ پر یہ عقدہ کھولا کہ محبت کی نرم پھوار جب کسی عورت کے دل کی زمین پر پڑتی ہے تو حیا کی سرخی خود بخود اس کے چہرے پر بچ جاتی ہے۔" وہ محبت آگیں لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"جب میرا چوکیدار تمہاری گاڑی کے پیچھے بھاگنے کے باوجود بھی تمہیں نہ لوٹا سکا تو میں نے اسی دن جان لیا تھا کہ یہی اللہ کی رضا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ میری نظروں نے چوری کی ایک چھوٹی سی جسارت کی اور واپس جھک گئیں۔

"چاند نظر آگیا ہے، مبارک ہو۔" باہر برقی قمقموں سے سجے لان میں یک دم ہی ہلچل سی مچ گئی تھی۔

"آپ کو بھی۔" وہ مسکرا کر باہر نکل گیا۔

میں نے کھڑکی سے جھلکتے آسمان کے ٹکڑے میں چاندی کی باریک تار جیسا یکم شوال کا چاند ڈھونڈنے کی کوشش کی، پھر آنکھوں میں کئی دن سے بے ترتیب تصور میں رنگ بھرتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔